بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

عمل، خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کی صحت کے لیے دو چیزیں شرط لازم ہیں۔

پہلی شرط خود شناسی ہے۔ آپ کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ آپ کیا ہیں، اور جو کچھ آپ ہیں اُس ہونے کے مقتضیات کیا ہیں۔ پھر اگر اس تحقیق سے آپ پر اپنی کوئی ایسی حقیقت منکشف ہو جس سے آپ راضی نہ ہوں، یعنی آپ کی خواہش یہ ہو کہ جو کچھ آپ ہیں وہ نہ رہیں بلکہ کچھ اور ہو جائیں، تب بھی آپ کے لیے لازم ہے کہ اُن "کچھ اور" کا تعین کریں، اور جو کچھ بھی آپ ہونا چاہتے ہیں اس کے مقتضیات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

دوسری شرط قوت فیصلہ اور قوت ارادی ہے۔ آپ کو بہر حال یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ جو کچھ آپ ہیں وہی رہنا چاہتے ہیں، یا کچھ اور بننے کے خواہش مند ہیں، اور اس فیصلہ کی رو سے جو کچھ بھی آپ ہونا چاہیں، اُس ہونے کے مقتضیات کا بار اٹھانے کے لیے آپ کو تیار رہنا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر خطرناک بات کسی شخص یا گروہ کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک پوزیشن سے محبت اور دوسری پوزیشن کا لالچ رکھتا ہو، کبھی اس پوزیشن سے چمٹ جائے اور کبھی اُس پوزیشن کی طرف لپکے، مگر دونوں میں سے کسی ایک کے مقتضیات بھی پورے کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس تلون اور تردد کا لازمی نتیجہ خام کاری ہے۔ جو شخص یا گروہ اس حالت میں مبتلا ہو وہ بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی ثبات اور قرار نہیں ہوتا۔ اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے ایک پتہ جو زمین پر پڑا ہو اور ہواؤں کے جھونکے اسے اڑائے اڑائے لیے پھریں۔

مسلمانوں کے افراد اور اُن کی جماعتوں کے اعمال میں تلون اور خام کاری کی جو کیفیات ایک مدت سے نمایاں

ہیں اور اب نمایاں تر ہو گئی ہیں ان کے اسباب پر میں نے جتنا زیادہ غور کیا اتنا ہی زیادہ مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ انہی دو چیزوں کا فقدان ہے۔ کہیں خودشناسی مفقود ہے اور کہیں قوت فیصلہ اور قوتِ ارادی۔ ایک معتدبہ جماعت ہم میں ایسی ہے جو سرے سے اپنی خودی کا شعور ہی نہیں رکھتی۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور اس کے مقتضیات کیا ہیں۔ پھر بھلا اس سے یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ اپنے انفرادی یا اجتماعی عمل کے لیے وہ کوئی ایسا راستہ منتخب کرے گی جو مسلمان کو کرنا چاہیے؟ ایک دوسری جماعت، اور وہ بھی معتدبہ، ایسی ہے جو شعور ذات تو رکھتی ہے مگر قوت فیصلہ اور قوت ارادی نہیں رکھتی۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں، اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو کچھ ہم ہیں اس ہونے کے مقتضیات کیا ہیں، لیکن اس علم نے ان میں محبت اور خوف کے دوگونہ جذبات پیدا کر دیے ہیں۔ جو کچھ یہ ہیں وہی رہنا چاہتے ہیں، کیونکہ انہیں اپنی ہستی سے محبت ہے۔ لیکن جو کچھ یہ ہیں اس ہونے کے مقتضیات کی دہشت ان پر طاری ہو گئی ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ مسلمان ہونا کھیل نہیں ہے۔ اسکے ساتھ ذمہ داریوں کا ایک بہت بھاری بوجھ آتا ہے۔ اسکے ساتھ پابندیاں ہیں۔ ایثار اور قربانی ہے۔ جہاد اور مشقت ہے۔ ایک ایسا سخت مشن ہے جس میں دنیا بھر سے لڑائی ہے اور اس لڑائی کے معاوضہ میں خدا کی خوشنودی کے سوا کسی چیز کی طلب بھی جائز نہیں۔ اس ہولناک چیز کا خوف ان کے دل پر ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ یہ مسلمان ہونے کے مقتضیات سے کترا کر بھاگتے ہیں، اور کوئی ایسی پوزیشن اختیار کرنا چاہتے ہیں جس میں آسانی ہو۔ مگر انہیں خود بھی معلوم ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت باقی رکھ کر یہ کوئی دوسری حیثیت اختیار نہیں کر سکتے۔ اسلیے انکی قوت فیصلہ جواب دے گئی ہے۔ یہ اسلام اور کفر کے درمیان متردد ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسلام سے چمٹنا چاہتے ہیں مگر اسکے مقتضیات کا خوفناک چہرہ دیکھ کر دور بھاگتے ہیں۔ کفر کی آسائشوں اور لذتوں اور فائدوں کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتے ہیں، اگر وہ کہتا ہے کہ میری طرف آتے ہو تو پورے کافر ہو کر آؤ اور میرے مقتضیات پورے کرو۔ یہ اسکے لیے بھی تیار نہیں لہٰذا اس سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ اب انکی حالت ایک ایسے شخص کی سی ہو کر رہ گئی ہے جو ہر طرف آسائشیں اور فائدے ہی ڈھونڈتا ہو، مگر کسی طرف کی بھی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

مسلمانوں کی جماعت زیادہ تر انہی دو گروہوں پر مشتمل ہے، اسیلیے عموماً جو اجتماعی تحریکیں مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہیں۔ انکے مقاصد میں غلطی ہے۔ انکے طریق کار میں غلطی ہے۔ انکی قیادت میں غلطی ہے۔ اور انکی روحی کیفیت میں غلطی ہے۔ بہت سے لوگوں کو تو بے شعوری کی وجہ سے اس غلطی کا احساس ہی نہیں ہوتا اسیلیے وہ جوش و خروش کے ساتھ ان تحریکوں کو چلاتے ہیں۔ انکے نزدیک کسی تحریک کے درست ہونے کے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ اس میں "مسلمانوں کا فائدہ ہے"۔ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اور بہت سے لوگ جنکو غلطی کا احساس ہے وہ اپنے نفس کی چھپی ہوئی کمزوری کے باعث ان تحریکوں کا ساتھ دیتے ہیں کیونکہ ان کے نفس نے انہیں یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ اسلام اور جاہلیت کے درمیان ایک بین بین راہ چلنے ہی میں سلامتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور جاہلیت کی درمیان کوئی بیچ کی راہ نہیں ہے اور ایسی کسی راہ پر چل کر مسلمان کہیں کے بھی نہیں رہتے۔ لہٰذا مسلمانوں کی حقیقی خیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے سامنے واضح طور پر اسلام اور جاہلیت کی راہوں کو، انکے مقتضیات اور انکے نتائج کے ساتھ، کھول کر پیش کر دیا جائے، اور انہیں مشورہ دیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں۔

پچھلی اشاعت میں "قوم" اور "جماعت" کے اصولی فرق کی بحث اسی توضیح کے لیے چھیڑی گئی تھی۔ وہاں ہم نے قرآن اور حدیث کی شہادت سے صرف یہ ثابت کیا تھا کہ "مسلمان" کی اصطلاح جس اجتماعی ہیئت کے لیے وضع کی گئی ہے، وہ دراصل ایک "قوم" نہیں ہے بلکہ ایک "جماعت" ہے۔ اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "قوم" ہونے اور "جماعت" ہونے کے مقتضیات و نتائج میں کیا فرق ہے۔ ہمیں، اور کسی شخص کو بھی، یہ حق نہیں کہ آپ کو قوم کے بجائے جماعت بننے پر مجبور کریں۔ آپ کو پورا اختیار ہے کہ جو چاہیں بنیں۔ البتہ جو خدمت ہم انجام دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کے ذہن کی اُلجھن اور نظر کے دُھند کو دور کر دیں، تاکہ آپ دونوں حیثیتوں کا صحیح موازنہ کر لیں اور آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ ان حیثیتوں کو جمع کرنے کی جو صورتیں آپ نکال رہے ہیں یہ

اصولاً غلط اور نتائج کے اعتبار سے مہلک ہیں۔

ایک جماعت میں قومیت کا احساس دراصل تاریخی اثرات اور تہذیبی وراثت کے تسلسل سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جب کچھ لوگ ایک طویل مدت تک ایک قسم کے اخلاقی تصورات اور ایک قسم کے معاشرتی طور طریقوں کے ساتھ باہم متفق اور دوسرے گروہوں سے ممتاز ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں، اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل اس ورثہ کو لے کر اپنے اندر مستحکم کرتی چلی جاتی ہے، تو ان میں اپنے مستقل اجتماعی وجود کا وہ احساس پیدا ہو جاتا ہے جسے "قومیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چند عادتیں اور رسمیں ہوتی ہیں جن سے وہ مانوس ہوتے ہیں۔ چند برتاؤ کے ڈھنگ اور چند مطبوع و نامطبوع چیزوں کے معیار ہوتے ہیں جو ان کی زندگی میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ چند تخیلات ہوتے ہیں جن سے انہیں محبت ہوتی ہے اور جن کی ترجمانی ان کا لٹریچر کیا کرتا ہے۔ انہی چیزوں کے مجموعہ کو انکی کلچر کہا جاتا ہے۔ ان میں طبعاً یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کلچر یعنی اسلاف کے اس ورثہ کو باقی رکھیں اور اپنے اخلاف کے لیے چھوڑ جائیں تاکہ انکی قومی زندگی کا تسلسل قائم رہے۔

اس طرح جو گروہ ایک قوم بن گیا ہو اسکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اپنی اجتماعی زندگی کا کنٹرول اسکے اپنے ہاتھ میں ہو، اور کسی دوسرے گروہ کی مرضی اس پر مسلط نہ ہونے پائے۔ یہ اس قوم کا سیاسی مفاد ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ معیشت کے جو وسائل اسکے پاس ہیں انکی حفاظت کرے، اور جو مزید وسائل حاصل ہو سکتے ہوں انہیں حاصل کرے تاکہ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ خوشحال ہوں۔ یہی چیز ہے جس کو معاشی مفاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں کہ قومیت کا یہ مفہوم جو اوپر بیان ہوا ہے، اسکے لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان صدیوں کی توارث کی بدولت ایک قوم بن چکے ہیں، اور اب دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز وہ اپنا ایک مستقل اجتماعی وجود رکھتے ہیں۔ اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ دوسرے گروہوں کی ایک کثیر تعداد کے درمیان گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان کے سیاسی اور معاشی مفاد، اور انکی کلچر کے تحفظ کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے جسکی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان

کی اجتماعی حیثیت بس یہی ہے؟ کیا وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی بہت سی قوموں میں سے ایک قوم ہیں؟ کیا انکی قومیت کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ ایک گروہ نے نسلاً بعد نسلٍ ایک طرح کی زندگی بسر کرکے اپنے اندر "قومیت" پیدا کرلی ہے؟ کیا وہ کلچر جسے یہ اسلامی کلچر کہتے ہیں، محض موروثی عادات و رسوم اور تاریخی تجارب کا مجموعہ ہے؟ کیا ان کے اصل قومی مسائل صرف یہی ہیں کہ جس ورثہ کو انہوں نے باپ دادا سے پایا ہے اسکی حفاظت کریں، جن وسائل معیشت اور جن سیاسی اقتدارات پر وہ ابھی تک قابض ہیں انہیں ہاتھ سے نہ جانے دیں، جن چیزوں کی انہیں اپنے گروہ کے افراد کی خوشحالی کے لیے ضرورت ہے ان کو حاصل کریں، اور فی الجملہ ان کی اجتماعی زندگی کا کنٹرول انکے اپنے ہی ہاتھ میں رہے؟

اگر یہی مسلمانوں کی قومیت اور یہی ان کی کلچر ہے، اور یہی ان کے قومی مسائل ہیں تو بلاشبہ وہ سب قومی تحریکات درست ہیں جو اس وقت ان میں چل رہی ہیں۔

ان کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ انکی ایک لیگ ہو جس میں وہ سب لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور مسلمانوں کے نظام معاشرت سے وابستہ ہیں۔ اِنہی کے گروہ کے کچھ لوگ ان کے قائد ہوں جن کے اشاروں پر یہ حرکت کریں۔ اور ان کی تمام جدوجہد کا مقصود صرف یہ ہو کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے وہ جانے نہ پائے، اور جو کچھ مزید ہاتھ آسکتا ہو وہ آجائے، قطع نظر اس سے کہ اسلام، جس کے نام سے یہ اپنی قوم کو مسلمان کہتے ہیں، اس کو جائز سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ انکے لیے تمام تر اہمیت صرف اسی ایک چیز کی ہونی چاہیے کہ ملک کا نظم ونسق خواہ کسی نوعیت کا ہو، بہر حال اس کے کنٹرول میں خود ان کے اپنے افراد کو کافی حصہ ملے تاکہ اپنے آبائی ورثہ (یعنی اپنی کلچر) کو وہ خود جس صورت میں بھی باقی رکھنا چاہیں، رکھ سکیں، اور جس قسم کے بھی فوائد و منافع ملک کی آبادی میں تقسیم ہو رہے ہوں ان میں سے ایک معتدبہ حصہ ان کے افراد کو بھی مل جائے۔

انکے لیے یہ بھی درست ہے کہ موقع اور محل کو دیکھ کر یہ ملک کی جس پارٹی کے ساتھ جن شرائط پر چاہیں معاملہ کریں بشرطیکہ اس معاملہ میں انکے اپنے گروہ کا فائدہ مقصود ہو۔ ایسے کسی معاملہ میں قومی غداری کا سوال صرف اس وقت پیدا ہوگا۔

جبکہ معاملہ جان بوجھ کر نقصان کے ساتھ کیا جائے، یا اس میں اپنی قوم کے سیاسی و معاشی مفاد کو نظر انداز کر دیا جائے۔

ان کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ جس طرح دوسری قوموں میں قوم پرستی (نیشنلزم) پیدا ہوئی ہے اسی طرح ان میں بھی ہو۔ یہ بھی اٹلی اور جرمنی اور جاپان کی طرح غلبہ اور تمکن فی الارض کا مطالبہ کریں۔ انکی تنظیم بھی فاشستی اصولوں پر کی جائے۔ یہ بھی انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح کے قانون کے مطابق اپنے آپ کو بھیڑیے کی طرح صالح ثابت کریں اور غیر صالح بکریوں کو ہضم کرنا شروع کر دیں۔ یہ بھی امپیریلیسٹ قوموں کے زمرے میں شامل ہو جائیں، جس طرح ممکن ہو زمین میں غلبہ حاصل کریں، اور اسی دنیا کی زندگی میں اسی زمین پر اپنے لیے جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کا لطف پیدا کریں۔

قومیت کا یہ نظریہ اختیار کرنے کے بعد آپ کے لیے یہ سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔ مگر خوب جان رکھیے کہ اسلام کو اس قومیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام کو نہ تو کسی نسلی گروہ سے دلچسپی ہے۔ نہ وہ کسی جماعت کی موروثی عادات و رسوم سے لگاؤ رکھتا ہے۔ نہ وہ دنیا کے معاملات کو چند اشخاص یا مجموعۂ اشخاص کی منفعت کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ نہ وہ اسلیے آیا ہے کہ انسانیت جن گروہوں میں بٹی ہوئی ہے ان کے اندر اپنے نام سے ایک الگ گروہ کا اضافہ کر دے۔ نہ وہ انسانی جماعتوں کو جانور بنانا چاہتا ہے کہ ایک دوسرے کے بالمقابل تنازع للبقاء کے میدان میں اتریں اور انتخاب طبیعی کے امتحان میں شریک ہوں۔ یہ سب کچھ غیر اسلامی ہے۔ لہٰذا اگر یہ آپ کی قومیت اور یہ آپ کی کلچر ہے، اور یہ آپ کے قومی مقاصد ہیں تو آپ اپنی قوم کا جو نام چاہیں تجویز فرمالیں، اسلام کا نام استعمال کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے، کیونکہ اسلام آپ کی اس قومیت اور اس کلچر سے تبرّی کرتا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اسلام ہی کا نام استعمال کرنے پر آپ کو اصرار کیوں ہو؟ ''مسلمان'' کے معنی و مفہوم سے تو آپ کو کوئی بحث ہے نہیں، آپ کو تو اپنی قومیت کے لیے بس ایک نام چاہیے۔ سو اس غرض کے لیے آپ جو نام بھی وضع کرینگے وہ آپ کی مستقل اجتماعی حیثیت پر اسی طرح دلالت کرنے لگیگا جسطرح اب لفظ ''مسلمان'' کر [illegible] ہے۔ آخر اس نوع کی قومیت میں کونسی خصوصیت ہے جسکے لیے لفظ ''مسلمان'' ہی کا

استعمال ضروری ہو؟

اس نام کو بدل دینے کی ضرورت صرف اسی لیے نہیں ہے کہ آپ کے یہ نظریات جن پر آپ اپنی قومیت کی بنا رکھ رہے ہیں، اصولاً اسلام کے خلاف ہیں۔ بلکہ اسکی ضرورت اسلیے بھی ہے کہ ان نظریات کے ساتھ آپ جو کچھ کرینگے وہ اسلام کے لیے رسوائی و بدنامی کا موجب ہوگا۔ دنیا آپ کی حرکات کو دیکھ کر سمجھیگی کہ اسلام یہی کچھ سکھاتا ہوگا، اور یہ چیز اس کو اسلام سے اور زیادہ دور پھینکے گی۔ آپ اپنے "قومی مفاد" کی حفاظت کے لیے انگریزی کی فوج میں اپنا تناسب قائم رکھنے کی کوشش کرینگے، اور دنیا یہ سمجھیگی کہ شاید یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ جو تمہیں پندرہ روپے تنخواہ دے اس کے حکم سے تم ہر ایک کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آپ اپنے قومی مفاد کی خاطر ہر اس منفعت کو دانتوں سے پکڑنے کی کوشش کرینگے جو کسی مسلمان یا بحیثیت مسلمان قوم کو کسی طور سے حاصل ہو یا ہو سکتی ہو، اور دنیا اس دنائت کو اسلام کی طرف منسوب کریگی۔ آپ انتہائی بے اصولی کے ساتھ کہیں ایک چیز کی حمایت کرینگے اسلیے کہ وہ آپ کے مفاد کے مطابق ہے، اور کہیں اُسی چیز کی مخالفت کرینگے اسلیے کہ وہ آپ کے مفاد کے خلاف ہے، کبھی ایک پارٹی سے ملینگے اور کبھی اُسی پارٹی سے لڑینگے، نہ اسلیے کہ آپ کے اور اس کے درمیان اصولی اتفاق یا اتحاد ہے، بلکہ صرف اسلیے کہ آپ کے پیش نظر اصول نہیں "قومی مفاد" ہے۔ یہ ابن الوقتی جو آپ کے کیرکٹر سے ظاہر ہوگی، دنیا سمجھیگی کہ ایسا ہی کیرکٹر اسلام پیدا کرتا ہے۔ آپ قومی فائدے کی تلاش میں ہر طرف بھٹکیں گے، فاشزم کے اصول اور کمیونزم کے نظریات بھی اختیار کرینگے، ظالمانہ سرمایہ داری اور مستبدانہ شخصی حکومتوں کے دامن میں بھی پناہ لینگے، انگریز اور ہندو اور جس کسی کے آستانے پر بھی فائدے کا بت بیٹھا نظر آئیگا اسی کی طرف سجدہ ریز ہونگے، اور یہ سارے داغ آپ کے توسط سے اسلام کے دامن پر لگتے چلے جائینگے۔ اسلام نے صدیوں آپ پر جو احسانات کیے ہیں ان کا کم از کم یہ بدلہ تو نہ ہونا چاہیے کہ آپ اس طرح اسکی رسوائی کا سامان کریں۔

لیکن اگر آپ کو اسلام سے محبت ہے اور حقیقت میں آپ مسلمان ہی رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ اسلام یہودیت کی طرح ایک نسلی مذہب نہیں ہے جو ایک نسلی قوم بناتا ہو۔ وہ تمام نوع انسانی کے لیے ایک اخلاقی و اجتماعی مسلک ہے۔ ایک جہانی نظریہ (درلڈ تھیوری) اور کلی نصب العین ہے۔ وہ ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جو اس مسلک، اس نظریہ، اس نصب العین کو لے کر اٹھے، اور دنیا کے سامنے عملاً اس کا نقشہ پیش کرے، اور جس جس قوم کے جو جو لوگ اسکو قبول کرتے جائیں انہیں اپنی جماعت میں شامل کرتی چلی جائے، یہاں تک کہ قوموں کے درمیان تفریق کی دیواریں مسمار ہو جائیں۔ اس کے نزدیک "اسلامی" صرف وہ چیز ہے جو اس کے مسلک اور اس کے نظریہ کے مطابق ہو، اور جو چیز اسکے خلاف ہو اس کو وہ اپنانے سے صاف انکار کرتا ہے خواہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہو۔ اگر آپ اسلام کے مسلک کی خاطر جیتے ہیں، اور اس کو دنیا میں حکمراں بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو یقیناً آپ "اسلامی جماعت" اور "مسلمان قوم" ہیں۔ اور اگر آپ اپنے لیے جیتے اور اپنے مفاد کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو اسلام سے آپکا کوئی تعلق نہیں، آپکو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ کام اپنے لیے کریں اور نام اسلام کا لیں۔

عالمگیر مسلک یا جہانی نظریہ کے چند مقتضیات ہوتے ہیں جن کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے:

اولاً وہ مختلف پارٹیوں میں سے ایک پارٹی بن کر رہنے پر قانع نہیں ہوتا بلکہ اس کی فطرت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ بس وہی ایک ہو۔ وہ مقابل کی کسی طاقت کو اپنا شریک و سہیم بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مدارات اور مصالحت (کمپرومائز) کرنا اسکے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ وہ سودا نہیں کرتا بلکہ غالب ہونا چاہتا ہے۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

ثانیاً وہ اشخاص یا طبقوں یا قوموں کے نقطۂ نظر سے مسائل کو نہیں دیکھتا بلکہ کلی اور جہانی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ اسے اس امر سے قطعاً کوئی بحث نہیں ہوتی کہ اس شخص یا اس طبقہ یا اس گروہ کا فائدہ کس چیز میں ہے۔ اسکو انسان سے بحث ہوتی ہے، اور وہ اُن مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے جو مجموعی حیثیت سے انسان کے لیے حل طلب ہوں، قطع نظر اسکے کہ کس کو کیا ملتا ہے اور کس سے کیا چھنتا ہے۔

ثالثاً اسکے پیشِ نظر وقتی یا مقامی مقاصد نہیں ہوتے بلکہ ایک دائمی اور جہانی مقصد ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں زندگی کا جو نظام اسکے اصول کے خلاف قائم ہے اس کو توڑ ڈالے اور اپنے اصول کے مطابق مستقل طور پر ایک نظام قائم کرے۔

رابعاً وہ ایسی قومیت کے تنگ دائرے میں بند ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا جو نسلی اور تاریخی روایات پر قائم ہو۔ اسکی کامیابی کے لیے تو لازمی شرط یہی ہے کہ اپنے عہد کے تمام انسانوں میں سے بہتر اور صالح تر افراد کو نکال کر اپنی تنظیم کی طرف کھینچ لائے اور انکی قابلیتوں سے کام لے۔ اگر وہ کسی خاص قوم کی ذاتی اغراض کا حامی بن جائے تو دوسری قوموں کے لیے اس کا اپیل قطعاً غیر مؤثر ہو جائیگا۔

خامساً وہ کسی خاص قوم کی موروثی کلچر اور روایتی رسوم و عادات سے اپنا دامن نہیں باندھتا بلکہ ہر عہد میں تمام عالم انسانی نے اپنی علمی تلاش و جستجو سے جو حقائق ——— نظریات نہیں بلکہ حقائق ——— دریافت کیے ہوں، یا اپنی سعی و عمل سے جو صالح نتائج پیدا کیے ہوں، ان سب کو لیکر وہ اپنے تجویز کردہ نظام اجتماعی میں اپنے اصول کے مطابق اس طرح جذب کرتا ہے کہ وہ اس نظام کے فطری اجزاء (نہ کہ درآمد شدہ اشیاء) بن جائیں۔

سادساً اسکی کامیابی کے لیے صرف یہ ثابت کر دینا کافی نہیں ہوتا کہ وہ بجائے خود برحق ہے اور اس میں انسان کی فلاح ہے۔ بلکہ اپنے مقصود کو پہنچنے کے لیے وہ اس امر کا اقتضا کرتا ہے کہ اسکے اصولوں کو ایک جنگ آزما تحریک کی بنیاد بنایا جائے، اس پر ایمان رکھنے والے اس تحریک کے زور سے ایک مجاہد جماعت بن کر اٹھیں، اور بالآخر اس کے نظریات ایک اسٹیٹ کے لیے بنیادی قانون بن جائیں۔

یہ اسلام کے مقتضیات ہیں اور یہی مسلمان ہونے کے مقتضیات بھی ہیں۔ اب اگر آپ اسلامی جماعت بن کر کام کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی اُس قومی پالیسی پر نظرثانی کرنی ہوگی جس پر آپ اب تک چلتے رہے ہیں، اور اسے بالکلیہ بدل کر ان مقتضیات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

آپ کو اپنے دماغ سے قومی مفاد کا تصور نکال دینا پڑیگا اور اس کی جگہ اسلام کے اصول اور اسکے نصب العین کو دینی ہوگی۔ آپ کو وقتی اور مقامی مقاصد سے صرف نظر کر لینا ہوگا اور اپنی نظر اس ایک مقصد پر جما دینی ہوگی کہ اسلام کے اصول دنیا میں حکمراں ہوں۔ اس غرض کے لیے آپ کو دنیا بھر سے لڑنے کے لیے تیار رہنا پڑیگا اور کسی ایسی پارٹی سے جو آپکے اصول نہ مانتی ہو، آپ کسی شرط پر بھی سودا نہ کر سکینگے۔ آپ کو سختی کے ساتھ ایک با اصول جماعت بننا پڑیگا، ان ناکارہ لوگوں کو اپنے سے الگ کرنا ہوگا جو آپکے اصولوں کو نہ مانتے ہوں، اور سب قوموں میں سے ان صالحین کو چن چن کر اپنے ساتھ ملانا ہوگا جو ان اصولوں کو ماننے کے لیے تیار ہوں۔ آپکو ابن الوقتی چھوڑ دینی پڑیگی۔ اپنے اصول سے ہٹ کر آپ کچھ نہ کر سکینگے خواہ اس میں کتنا ہی بڑا شخصی یا قومی نقصان ہو۔ آپ کو ایک ایسی مجاہد جماعت بننا پڑیگا جو اپنے اصول کے لیے لڑنے والی ہو، جس کا مقصد اپنی "قومی حکومت" قائم کرنا نہ ہو، بلکہ اپنے "اصولوں کی حکومت" قائم کرنا ہو۔

ایسی جماعت جب آپ بنینگے تو آپ کو اپنی قیادت میں بھی تغیر کرنا ہوگا۔ اس وقت آپکے قائد صرف وہ لوگ ہو سکینگے جو اسلام کے اصول کو ٹھیک ٹھیک جانتے ہوں اور سب سے زیادہ ان کا اتباع کرنے والے ہوں۔ ایک قوم کا لیڈر رہبر وہ شخص ہو سکتا ہے جو قوم کا فرد ہو۔ مگر ایک جماعت کا لیڈر صرف وہی ہو سکتا ہے جو جماعت کے مسلک کا سب سے بڑا علمبردار ہو۔ قومی تنظیم میں تو اسلام کے مسلک سے ہٹے ہوئے لوگوں کو صف اول میں جگہ مل سکتی ہے، مگر جماعتی تنظیم میں ان کا مقام سب سے پیچھے کی صفوں میں ہوگا بلکہ شاید ان میں سے بہتوں کو کسی صف میں بھی جگہ نہ ملیگی۔

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ آپ کے سامنے دونوں راستے واضح ہو چکے ہیں۔ اب ان کے فوائد اور نقصانات کا موازنہ کر کے بھی دیکھ لیجیے تاکہ انتخاب و اختیار میں آسانی ہو۔

اگر آپ محض ایک ایسی قوم ہوں جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے جدوجہد کرتی ہو، تو آپ کی حیثیت ایک جامد چٹان کی سی ہوگی، اور آپکے مقابلہ میں دوسری بہت سی قومیں ایسی ہی چٹانوں کی صورت میں موجود ہونگی۔ آپ کا

اور ان کا مقابلہ اُسی طرح ہو گا جس طرح چٹانوں کا ایک دوسرے سے ہوتا ہے - ایک چٹان دوسری چٹان میں سے اجزاء لے کر اپنا جسم نہیں بڑھا سکتی - نہ ایک چٹان دوسری چٹان کے حیّز میں گھس سکتی ہے - ان کے درمیان معاملہ کی بس دو ہی صورتیں ہیں - یا تو ہر ایک چٹان اپنے اپنے حیّز میں رہنے پر قانع ہو - یا ایک چٹان دوسری چٹان پر چڑھ جائے اور اس سے ٹکرا کر اسے توڑنے اور پیسنے کی کوشش کرے - پہلی صورت میں آپ محدود ہو کر رہ جاتے ہیں - اور دوسری صورت میں آپ کے لیے وسعت کا امکان تو ہے، مگر اُسی طرح کی وسعت جیسی فاشست اٹلی اور نازی جرمنی حاصل کر رہا ہے، اور اس سے پہلے امپیریلسٹ برطانیہ حاصل کر چکا ہے - اس طرح کی وسعت حاصل کر کے آپ دنیا میں ایک اور مفسد قوم کا اضافہ کرینگے جو زمین میں کچھ مدت تک فساد پھیلائیگی اور بالآخر اپنے کیے کی سزا پائیگی -

بخلاف اسکے اگر آپ اسلامی مفہوم کے مطابق ایک ایسی جماعت ہوں جو ایک مسلک اور ایک جہانی نظریہ کیلیے جدوجہد کرتی ہو، تو آپ ایک جامد پتھر کی طرح نہ ہونگے بلکہ ایک نامی جسم کی طرح ہونگے - آپکی مثال اس درخت کی سی ہوگی جو ہر طرف اپنے گرد وپیش سے اجزاء جذب کرتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے - اس صورت میں آپ ایک عالمگیر طاقت ور لوگ ہونگے - آپ دنیا کو اپنے لیے نہیں بلکہ اصولِ حق کے لیے فتح کرنیکی کوشش کرینگے اور اگر واقعی آپکے اصول فطرت انسانی کو اپیل کرنیوالے اور انسانیت کی مشکلات کو حل کرنے والے ہیں — جیسے کہ وہ فی الواقع ہیں — تو دنیا خود اپنے آپ کو مفتوحیت کے لیے آپکے سامنے پیش کر دیگی - آپکی ذات اور آپکے ذاتی مفاد میں کوئی عالمگیر کشش نہیں ہے - دنیا انکی طرف کھنچے گی نہیں بلکہ آپکو زبردستی کھینچنا پڑیگا لیکن اسلام کے اصول میں عالمگیری کی طاقت ہے، دنیا انکی طرف خود کھنچے گی بشرطیکہ آپ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے اصولوں کے لیے جییں اور مریں - آپکے سامنے اشتراکیت کی مثال موجود ہے - وہ ایک عالمگیر طاقت صرف اسیلیے بنتی چلی جارہی ہے کہ اشتراکی لوگ اشتراکیوں کے مفاد کے لیے نہیں بلکہ اشتراکیت کے اصول کے لیے جہاد کرتے ہیں - آج اگر وہ اشتراکیت کے لیے جہاد چھوڑ دیں اور انہیں صرف اشتراکیوں کے مفاد کی فکر لگ جائے تو آپ دیکھینگے کہ اشتراکیت کی عالمگیری ختم ہو جائیگی -

---

شاید یہاں آپ یہ شبہ پیش کرینگے کہ صاحب اسلام کے خلاف تو ہر طرف سخت تعصبات پھیلے ہوئے ہیں، بھلا اب

وسیع پیمانے پر لوگوں کو مسلمان بنانا کہاں ممکن ہے؟ اور یہ کہ اسلام اگر محض ایک معاشی پروگرام ہوتا یا اجتماعی مسلک ہوتا تو اشتراکیت کی طرح وہ پھیل سکتا تھا، مگر وہ سب سے پہلے ایک اعتقادی نظام ہے، اور اس میں شریک ہونے کے لیے تو اسکے عقائد کو ماننا ضروری ہے لہٰذا اسلام کی توسیع میں بہت زیادہ مشکلات ہیں۔

یہ شبہ بہت لوگوں کے دلوں میں ہے، اور بارہا میرے سامنے پیش کیا گیا ہے، مگر میں اسکو کوئی وزن نہیں دیتا۔ دنیا کا کوئی اجتماعی مسلک ایسا نہیں ہے جو اپنے کچھ عقائد نہ رکھتا ہو، اور کچھ ما بعد الطبیعی یا فلسفیانہ تصورات پر ایمان لانے کی دعوت نہ دیتا ہو۔ ہر مسلک کچھ بنیادی حقیقتیں پیش کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ ان حقیقتوں پر پختہ اعتقاد رکھا جائے۔ اعتقاد کے بغیر کسی مسلک میں جان ہی نہیں پڑ سکتی۔ لہٰذا ایک اعتقادی نظام ہونا اسلام کی کوئی انوکھی خصوصیت نہیں ہے۔ اگر اس جہت سے اسلام کی راہ میں کوئی مشکل حائل تھی تو ایسی مشکل ہر اجتماعی مسلک کی راہ میں حائل ہے، پھر اس سے ڈرنے کی آخر کیا وجہ؟ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات قرآنی اور محمدی اسلام کی راہ میں مزاحم نہیں ہیں، بلکہ مولویانہ اسلام اور اس اسلام کی راہ میں مزاحم ہیں جسکا نمونہ ہمارے رئیس اور امراء اور سیاسی لیڈر اور جھوٹی مذہبیت کا لبادہ پہننے والے دنیا پرست لوگ پیش کرتے ہیں۔ جب کسی اعتقاد کا رشتہ عملی زندگی سے توڑ دیا جائے، اور جب مذہبی عبادات کا کوئی رابطہ اجتماعی نظام سے باقی نہ رہنے دیا جائے، اور جب کلیات اور اصول کو پس پشت ڈال کر ظاہری شکلوں کی ناپ تول اور چھوٹے چھوٹے جزئیات کی نگہداشت پر دین کا مدار رکھ دیا جائے تو غیروں کا اسلام کی طرف آنا تو درکنار، خود مسلمانوں کا مسلمان رہنا بھی مشکل ہے۔ اس جہت سے بلاشبہ اسلام کی راہ میں سخت مشکلات حائل ہیں، مگر ان مشکلات کا علاج یہ نہیں ہے کہ اسلام ہی سے ہاتھ دھو لیا جائے، بلکہ ان کا علاج یہ ہے کہ اسلام کے عقائد اور اس کی عبادات کا رابطہ اس کے اجتماعی اصول و ضوابط سے از سرِ نو قائم کیا جائے اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک ایسی جنگ آزما تحریک اٹھائی جائے جس کے زور سے اسلام کے معتقد ایک مجاہد جماعت بن جائیں، اور بالآخر یہی اصول ایک اسٹیٹ کے لیے بنیادی قانون کی حیثیت اختیار کر لیں۔

آگے چل کر انہی صفحات میں ہم بتلائیں گے کہ اسلام اپنے عقائد کی بنیاد پر کس طرح ایک اجتماعی نظام مرتب کرتا ہے اور اس اجتماعی نظام کے اصول کس طریقہ سے ایک زندہ تحریک، ایک عالمگیر کشش رکھنے والے عملی پروگرام کی بنیاد بن سکتے ہیں۔